تفہیم القرآن

النازعات

(۲)

کیا[۱۳] تم لوگوں کی تخلیق زیادہ سخت کام ہے یا آسمان کی؟[۱۴] اللہ نے اس کو بنایا، اس کی چھت خوب اونچی اٹھائی پھر اُس کا توازن قائم کیا، اور اُس کی رات ڈھانکی اور اُس کا دن نکالا۔[۱۵] اِس کے بعد

---

[۱۳] اب قیامت اور حیات بعد الموت کے ممکن اور مقتضائے حکمت ہونے کے دلائل بیان کیے جا رہے ہیں

[۱۴] تخلیق سے مراد دوبارہ تخلیق ہے اور آسمان سے مراد وہ پورا عالمِ بالا ہے جس میں بے شمار ستارے اور سیارے بے حد و حساب شمسی نظام اور ان گنت کہکشاں پائے جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تم جو موت کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کو کوئی بڑا ہی امرِ محال سمجھتے ہو، اور بار بار کہتے ہو کہ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ جب ہماری ہڈیاں تک بوسیدہ ہو چکی ہوں گی اُس حالت میں ہمارے پراگندہ اجزائے جسم پھر سے جمع کر دیے جائیں اور ان میں جان ڈال دی جائے، کبھی اس بات پر بھی غور کرتے ہو کہ اس عظیم کائنات کا بنانا زیادہ سخت کام ہے یا تمہیں ایک مرتبہ پیدا کر چکنے کے بعد دوبارہ اسی شکل میں پیدا کر دینا؟ جس خدا کے لیے وہ کوئی مشکل کام نہ تھا اس کے لیے آخر یہ کیوں ایسا مشکل کام ہے کہ وہ اِس پر قادر نہ ہو سکے؟ حیات بعد الموت پر یہی دلیل قرآن مجید میں متعدد مقامات پر دی گئی ہے۔ مثلاً سورۂ یٰس میں ہے "اور کیا وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا اِس پر قادر نہیں ہے کہ اِن جیسوں کو (پھر سے) پیدا کر دے؟ کیوں نہیں، وہ تو بڑا زبردست خالق ہے، تخلیق کے کام کو خوب جانتا ہے" (آیت ۸۱)۔ اور سورۂ مومن میں فرمایا "یقیناً آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنا انسانوں کو پیدا کرنے سے زیادہ بڑا کام ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں" (آیت ۵۷)۔

زمین کو اس نے بچھایا[16]۔ اُس کے اندر سے اُس کا پانی اور چارہ نکالا[17] اور پہاڑ اس میں گاڑ دیئے سامانِ

[15] رات اور دن کو آسمان کی طرف منسوب کیا گیا ہے، کیونکہ آسمان کا سورج غروب ہونے سے ہی رات آتی ہے اور اسی کے طلوع ہونے سے دن نکلتا ہے۔ رات کے لیے ڈھانکنے کا لفظ اس معنی میں استعمال کیا گیا ہے کہ سورج غروب ہونے کے بعد رات کی تاریکی اس طرح زمین پر چھا جاتی ہے جیسے اُوپر سے اس پر پردہ ڈال کر ڈھانک دیا گیا ہو۔

[16] "اس کے بعد زمین کو بچھانے" کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آسمان کی تخلیق کے بعد اللہ تعالیٰ نے زمین پیدا کی، بلکہ یہ ایسا ہی طرزِ بیان ہے جیسے ہم ایک بات کا ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں "پھر یہ بات غور طلب ہے"۔ اس سے مقصود ان دونوں باتوں کے درمیان واقعاتی ترتیب بیان کرنا نہیں ہوتا کہ پہلے یہ بات ہوئی اور اس کے بعد دوسری بات، بلکہ مقصود ایک بات کے بعد دوسری بات کی طرف توجہ دلانا ہوتا ہے اگرچہ دونوں ایک ساتھ پائی جاتی ہوں۔ اس طرزِ بیان کی متعدد نظیریں خود قرآن میں موجود ہیں۔ مثلاً سورۂ قلم میں فرمایا عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ "جفاکار ہے اور اس کے بعد بداصل"۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پہلے وہ جفاکار بنا اور اس کے بعد بداصل ہوا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ شخص جفاکار ہے اور اس پر مزید یہ کہ بداصل بھی ہے۔ اسی طرح سورۂ بلد میں فرمایا فَكُّ رَقَبَةٍ . . . ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا "غلام آزاد کرے . . . پھر ایمان لانے والوں میں سے ہو"۔ اس کا بھی یہ مطلب نہیں ہے کہ پہلے وہ نیک اعمال کرے، پھر ایمان لائے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اُن نیک اعمال کے ساتھ ساتھ اس میں مومن ہونے کی صفت بھی ہو۔ اِس مقام پر یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ قرآن میں کہیں زمین کی پیدائش کا ذکر پہلے کیا گیا ہے اور آسمانوں کی پیدائش کا ذکر بعد میں، جیسے سورۂ بقرہ آیت ۲۹ میں ہم دیکھتے ہیں، اور کسی جگہ آسمان کی پیدائش کا ذکر پہلے اور زمین کی پیدائش کا ذکر بعد میں کیا گیا ہے، جیسے اِن آیات میں ہم دیکھ رہے ہیں۔ یہ دراصل تضاد نہیں ہے، اور اِن مقامات میں سے کسی جگہ بھی مقصودِ کلام یہ بتانا نہیں ہے کہ کسے پہلے بنایا گیا اور کسے بعد میں، بلکہ جہاں موقع و محل یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کمالات کو نمایاں کیا جائے وہاں آسمانوں کا ذکر پہلے کیا گیا ہے اور زمین کا بعد میں، اور جہاں سلسلۂ کلام اِس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ لوگوں کو اُن نعمتوں کا احساس دلایا جائے جو انہیں زمین پر حاصل

زیست کے طور پر تمہارے لیے اور تمہارے مویشیوں کے لیے۔ ؎۳۳

ہو رہی ہیں وہاں زمین کے ذکر کو آسمانوں کے ذکر پر مقدم رکھا گیا ہے (مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد چہارم ، حٰم السجدہ ، حواشی ۱۲-۱۴)۔

؎۳۲ چارہ سے مراد اس جگہ صرف جانوروں کا چارہ نہیں ہے بلکہ وہ تمام نباتات مراد ہیں جو انسان اور حیوان دونوں کی غذا کے کام آتے ہیں۔ رَعی کا لفظ اگرچہ بالعموم عربی زبان میں جانور کے چرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے مگر کبھی کبھی انسان کے لیے بھی استعمال کر لیا جاتا ہے ، مثلاً سورۂ یوسف میں آیا ہے کہ حضرت یوسف کے بھائیوں نے اپنے والد ماجد سے کہا اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ "آپ کل یوسف کو ہمارے ساتھ بھیج دیں کہ کچھ چر چگ لے اور کھیلے" (آیت ۱۲)۔ یہاں بچے کے لیے چرنے (رتع) کا لفظ جنگل میں چل پھر کر پھل توڑنے اور کھانے کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

؎۳۳ ان آیات میں قیامت اور حیات بعد الموت کے لیے دو حیثیتوں سے استدلال کیا گیا ہے۔ ایک یہ کہ اُس خدا کی قدرت سے اِن کا برپا کرنا ہرگز بعید نہیں ہے جس نے یہ وسیع و عظیم کائنات اِس حیرت انگیز توازن کے ساتھ اور یہ زمین اس سرو سامان کے ساتھ بنائی ہے۔ دوسرے یہ کہ اللہ کے کمالِ حکمت کے جو آثار اس کائنات اور اس زمین میں صریحاً نظر آ رہے ہیں وہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہاں کوئی کام بے مقصد نہیں ہو رہا ہے۔ عالمِ بالا میں بے شمار ستاروں اور سیاروں اور کہکشانوں کے درمیان جو توازن قائم ہے وہ شہادت دے رہا ہے کہ یہ سب کچھ الل ٹپ نہیں ہو گیا ہے بلکہ کوئی بہت سوچا سمجھا منصوبہ اِس کے پیچھے کار فرما ہے۔ یہ رات اور دن کا باقاعدگی سے آنا اس بات پر گواہ ہے کہ زمین کو آباد کرنے کے لیے یہ نظم کمال درجہ دانائی کے ساتھ قائم کیا گیا ہے۔ خود اسی زمین پر وہ خطے بھی موجود ہیں جہاں ۲۴ گھنٹے کے اندر دن اور رات کا الٹ پھیر ہو جاتا ہے اور وہ خطے بھی موجود ہیں جہاں بہت لمبے دن اور بہت لمبی راتیں ہوتی ہیں۔ زمین کی آبادی کا بہت بڑا حصہ پہلی قسم کے خطوں میں ہے ، اور جہاں رات اور دن جتنے زیادہ لمبے ہوتے جاتے ہیں وہاں زندگی زیادہ سے زیادہ دشوار اور آبادی کم سے کم ہوتی چلی جاتی ہے ، یہاں تک کہ ۶ مہینے کے دن اور ۶ مہینے کی راتیں رکھنے والے علاقے آبادی کے بالکل قابل نہیں ہیں۔ یہ دونوں نمونے اِسی زمین پر دکھا کر اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کی شہادت

پھر جب وہ ہنگامۂ عظیم برپا ہوگا[19] جس روز انسان اپنا سب کیا دھرا یاد کرے گا[20]، اور ہر دیکھنے

پیش کر دی ہے کہ رات اور دن کی آمد و رفت کا یہ باقاعدہ انتظام کچھ اتفاقاً نہیں ہو گیا ہے بلکہ یہ زمین کو آبادی کے قابل بنانے کے لیے بڑی حکمت کے ساتھ ٹھیک ایک اندازے کے مطابق کیا گیا ہے۔ اِسی طرح زمین کو اس طرح بچھانا کہ وہ قابلِ سکونت بن سکے۔ اِس میں وہ پانی پیدا کرنا جو انسان اور حیوان کے لیے پینے کے قابل اور نباتات کے لیے روئیدگی کے قابل ہو، اِس میں پہاڑوں کا جمانا اور وہ تمام چیزیں پیدا کرنا جو انسان اور ہر قسم کے حیوانات کے لیے زندگی بسر کرنے کا ذریعہ بن سکیں، یہ سارے کام اس بات کی صریح علامت ہیں کہ یہ اتفاقی حوادث یا کسی کھلنڈرے کے بے مقصد کام نہیں ہیں، بلکہ ان میں سے ہر کام ایک بہت بڑی حکیم و دانا ہستی نے بامقصد کیا ہے۔ اب یہ ہر صاحبِ عقل آدمی کے خود سوچنے کی بات ہے کہ آیا آخرت کا ہونا حکمت کا تقاضا ہے یا نہ ہونا؟ جو شخص اِن ساری چیزوں کو دیکھنے کے باوجود یہ کہتا ہے کہ آخرت نہیں ہوگی وہ گویا یہ کہتا ہے ـــــ کہ یہاں اور سب کچھ تو حکمت اور مقصدیّت کے ساتھ ہو رہا ہے، مگر زمین پر انسان کو ذی ہوش اور بااختیار بنا کر پیدا کرنا بے مقصد اور بے حکمت ہے۔ کیونکہ اس سے بڑی کوئی بے مقصد اور بے حکمت بات نہیں ہو سکتی کہ اِس زمین میں تصرّف کے وسیع اختیارات دے کر انسان کو یہاں ہر طرح کے اچھے اور بُرے کام کرنے کا موقع تو دے دیا جائے مگر کبھی اس کا محاسبہ نہ کیا جائے۔

[19] اس سے مراد ہے قیامت اور اس کے لیے الطّآمّۃ الکُبریٰ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ طامّہ بجائے خود کسی ایسی بڑی آفت کو کہتے ہیں جو سب پر چھا جائے۔ اس کے بعد اس کے لیے کبریٰ کا لفظ مزید استعمال کیا گیا ہے جس سے خود بخود یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی شدّت کا تصور دلانے کے لیے محض لفظ طامّہ بھی کافی نہیں ہے۔

[20] یعنی جب انسان دیکھ لے گا کہ وہی محاسبہ کا دن آ گیا ہے جس کی اُسے دنیا میں خبر دی جا رہی تھی، تو قبل اس کے کہ اُس کا نامۂ اعمال اس کے ہاتھ میں دیا جائے، اسے ایک ایک کر کے اپنی وہ سب حرکتیں یاد آنے لگیں گی جو وہ دنیا میں کر کے آیا ہے۔ بعض لوگوں کو یہ تجربہ خود اِس دنیا میں بھی ہوتا ہے کہ اگر یکایک کسی وقت وہ کسی ایسے خطرے سے دوچار ہو جاتے ہیں جس میں موت ان کو بالکل قریب کھڑی نظر آنے لگتی ہے تو اپنی پوری

والے کے سامنے دوزخ کھول کر رکھ دی جائے گی، تو جس نے سرکشی کی تھی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی تھی، دوزخ ہی اس کا ٹھکانا ہوگی۔ اور جس نے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف کیا تھا اور نفس کو بُری خواہشات سے باز رکھا تھا، جنت اس کا ٹھکانا ہوگی۔[۲۱]

یہ لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ "آخر وہ گھڑی کب آکر ٹھیرے گی"[۲۲]؟ تمہارا کیا کام کہ اس کا وقت بتاؤ۔ اس کا علم تو اللہ پر ختم ہے۔ تم صرف خبردار کرنے والے ہو ہر اُس شخص کو جو اُس کا خوف کرے[۲۳]۔ جس روز یہ لوگ اسے دیکھ لیں گے تو انہیں یوں محسوس ہوگا کہ (یہ دنیا میں یا حالتِ موت میں) بس ایک دن کے پچھلے پہر یا اگلے پہر تک ٹھیرے ہیں[۲۴]۔ ع

زندگی کی فلم اُن کی چشمِ تصوّر کے سامنے یک لخت پھر جاتی ہے۔

۲۱؎ یہاں چند مختصر الفاظ میں یہ بتا دیا گیا ہے کہ آخرت میں اصل فیصلہ کس چیز پر ہونا ہے۔ دنیا میں زندگی کا ایک رویّہ یہ ہے کہ آدمی بندگی کی حد سے تجاوز کرکے اپنے خدا کے مقابلے میں سرکشی کرے اور یہ طے کرلے کہ اِسی دُنیا کے فائدے اور لذتیں اُسے مطلوب ہیں خواہ کسی طرح بھی وہ حاصل ہوں۔ دوسرا رویّہ یہ ہے کہ یہاں زندگی بسر کرتے ہوئے آدمی اس بات کو پیشِ نظر رکھے کہ آخر کار ایک دن اسے اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونا ہے، اور نفس کی بُری خواہشات کو پُورا کرنے سے اِس لیے باز رہے کہ اگر یہاں اُس نے اپنے نفس کا کہا مان کر کوئی ناجائز فائدہ کما لیا یا کوئی نارَوا لذت حاصل کرلی تو اپنے رب کو کیا جواب دیگا۔ آخرت میں فیصلہ اسی بات پر ہونا ہے کہ انسان نے اِن دونوں میں سے کونسا رویّہ دنیا میں اختیار کیا۔ پہلا رویّہ اختیار کیا ہو تو اس کا مستقل ٹھکانا دوزخ ہے، اور دوسرا رویّہ اختیار کیا ہو تو اس کی مستقل جائے قیام جنت۔

۲۲؎ کُفّارِ مکّہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے یہ سوال بار بار کرتے تھے اور اس سے مقصود قیامت کی آمد کا وقت اور اس کی تاریخ معلوم کرنا نہیں ہوتا تھا بلکہ اس کا مذاق اڑانا ہوتا تھا (مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد پنجم، تفسیر سُورۂ ملک، حاشیہ ۳۵)

۲۳؎ اِس کی تشریح بھی ہم تفسیر سُورۂ ملک، حاشیہ ۳۶ میں کر چکے ہیں۔ رہا یہ ارشاد کہ تم ہر اُس شخص کو خبردار کر دینے والے ہو جو اس کا خوف کرے، تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خوف نہ کرنے والوں کو خبردار کرنا

تمہارا کام نہیں ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے خبردار کرنے کا فائدہ اسی کو پہنچے گا جو اُس دن کے آنے کا خوف کرے۔

۲۴ یہ مضمون اس سے پہلے کئی جگہ قرآن میں بیان ہو چکا ہے اور ہم اس کی تشریح کر چکے ہیں۔ ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد دوم، یونس، حاشیہ ۵۳۔ بنی اسرائیل، حاشیہ ۵۶۔ جلد سوم، طٰہٰ، حاشیہ ۸۰۔ المومنون، حاشیہ ۱۰۱۔ الروم، حواشی ۸۱۔ ۸۲۔ جلد چہارم، یٰس، حاشیہ ۴۸۔ اس کے علاوہ یہ مضمون سورۂ احقاف آیت ۳۵ میں بھی گزر چکا ہے جس کی تشریح ہم نے وہاں نہیں کی کیونکہ پہلے کئی جگہ تشریح ہو چکی تھی۔